

قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ (چہارم)

<?xml encoding="UTF-8?">

بنی اسرائیل کا ایک گروہ پشیمان ہوا

بنی اسرائیل کا ایک گروہ اپنے کئے پر سخت پشیمان ہوا۔ انہوں نے بارگاہ خدا کا رخ کیا۔ خدا نے دوسری مرتبہ بنی اسرائیل کو اپنی نعمتوں سے نوازا جن میں سے بعض کی طرف قرآن میں اشارہ کیا گیا ہے۔

”ہم نے تمہارے سر پر بادل سے سایہ کیا“۔ [62] سر خط وہ مسافر جو صبح سے غروب تک سورج کی گرمی میں بیابان میں چلتا ہے وہ ایک لطیف سائے سے کیسی راحت پائے گا (وہ سایہ جو بادل کا ہو جس سے انسان کے لئے نہ تو فضا محدود ہوتی ہو اور نہ جو ہوا چلنے سے مانع ہو)۔

یہ صحیح ہے کہ بادل کے سایہ فگن ٹکڑوں کا احتمال ہمیشہ بیابان میں ہوتا ہے لیکن قرآن واضح طور پر کہہ رہا ہے کہ بنی اسرائیل کے ساتھ ایسا عام حالات کی طرح نہ تھا بلکہ وہ لطف خدا سے اکثر اس عظیم نعمت سے بہرہ ور ہوتے تھے۔

دوسری طرف اس خشک اور جلادینے والے بیابان میں چالیس سال کی طویل مدت سرگرداں رہنے والوں کے لئے غذا کی کافی و وافی ضرورت تھی، اس مشکل کو بھی خداوند عالم نے ان کے لئے حل کر دیا، جیسا کہ اشاد ہوتا ہے: ہم نے ”من وسلوی“ جو لذیذ اور طاقت بخش غذا ہے تم پر نازل کیا۔

ان پاکیزہ غذاؤں سے جو تمہیں روزی کے طور پر دی گئی ہیں کھاؤ (اور حکم خدا کی نافرمانی نہ کرو اور اس کی نعمت کا شکر ادا کرو)۔

لیکن وہ پھر بھی شکر گزاری کے دروازے میں داخل نہیں ہوئے (تاہم) ”انہوں نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ اپنے اوپر ہی ظلم کیا ہے“۔ [63]

منّ و سلوی کیا ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے منقول ایک روایت کے مطابق، آپ نے فرمایا:

”کہمبی کی قسم کی ایک چیز تھی جو اس زمین میں اُگتی تھی“۔ پس معلوم ہوا کہ ”منّ“ ایک ”قارچ“ تھی جو اس علاقہ میں پیدا ہوتی تھی۔ [64]

بعض نے کہا ہے کہ ”منّ“ سے مراد وہ تمام نعمتیں جو خدانے بنی اسرائیل کو عطا فرمائی تھیں اور سلوی وہ تمام عطیات ہیں جو ان کی راحت و آرام اور اطمینان کا سبب تھے۔

”سلوی“ اگرچہ بعض مفسرین نے اسے شہد کے ہم معنی لیا ہے لیکن دوسرے تقریباً سب مفسرین نے اسے پرندے کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ یہ پرندہ اطراف اور مختلف علاقوں سے کثرت سے اس علاقے میں آتا تھا اور بنی اسرائیل اس کے گوشت سے استفادہ کرتے تھے۔ عہدین پر لکھی گئی تفسیر میں بھی اس نظریہ کی تائید دکھائی

دیتی ہے۔[65]

البتہ بنی اسرائیل کی سرگردانی کے دنوں میں ان پر خدا کا یہ خاص لطف و کرم تھا کہ یہ پرندہ وہاں کثرت سے ہوتا تھا تا کہ وہ اس سے استفادہ کرسکیں۔ ورنہ تو عام حالات میں اس طرح کی نعمت کا وجود مشکل تھا۔

بیابانوں میں چشمہ ابلنا

بنی اسرائیل پر کی گئی ایک اور نعمت کی نشاندہی کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے: ”یاد کرو اس وقت کو جب موسیٰ علیہ السلام نے (اس خشک اور جلانے والے بیا بان میں جس وقت بنی اسرائیل پانی کی وجہ سے سخت تنگی میں مبتلا تھے) پانی کی درخواست کی۔“ [66] تو خدا نے اس درخواست کو قبول کیا جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ہم نے اسے حکم دیا کہ اپنا عصا مخصوص پتھر پر مارو اس سے اچانک پانی نکلنے لگا اور پانی کے بارہ چشمے زور و شور سے جاری ہو گئے۔ [67] بنی اسرائیل کے قبائل کی تعداد کے عین مطابق جب یہ چشمے جاری ہوئے تو ایک چشمہ ایک قبیلے کی طرف جھک جاتا تھا جس پر بنی اسرائیل کے لوگوں ”اور قبیلوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے چشمے کو پہچان لیا۔ [68]

یہ پتھر کس قسم کا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کس طرح اس پر عصا مارتے تھے اور پانی اس میں سے کیسے جاری ہوجاتا تھا۔ اس سلسلے میں بہت کچھ گفتگو کی گئی ہے۔ قرآن جو کچھ اس بارے میں کہتا ہے وہ اس سے زیا دہ نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس پر عصا مارا تو اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ پتھر ایک کوہستانی علاقے کے ایک حصے میں واقع تھا جو اس بیابان کی طرف جھکا ہوا تھا۔ سورہ اعراف آیہ ۱۶۰ کی تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ابتداء میں اس پتھر سے تھوڑا تھوڑا پانی نکلا، بعد میں زیادہ ہو گیا، یہاں تک کہ بنی اسرائیل کا ہر قبیلہ ان کے جانور جو ان کے ساتھ تھے اور وہ کھیتی جو انہوں نے احتمالاً اس بیابان کے ایک حصے میں تیار کی تھی سب اس سے سیراب ہو گئے، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کوہستانی علاقے میں پتھر کے ایک حصے سے پانی جاری ہوا البتہ یہ مسلم ہے کہ یہ سب معجزے سے رونما ہوا۔ [69]

بہر حال ایک طرف خداوند عالم نے ان پر من و سلویٰ نازل کیا اور دوسری طرف انہیں فراوان پانی عطا کیا اور ان سے فرمایا: ”خدا کی دی ہوئی روزی سے کھاؤ پیو“ لیکن زمین میں خرابی اور فساد نہ کرو۔ [70] گویا انہیں متوجہ کیا گیا ہے کہ کم از کم ان عظیم نعمتوں کی شکر گزاری کے طور پر ضدی پن، ستمگری، انبیاء کی ایذا رسانی اور بھانہ بازی ترک کردو۔

مختلف کھانوں کی تمنا

ان نعمات فراوان کی تفصیل کے بعد جن سے خدا نے بنی اسرائیل کو نوازا تھا۔ قرآن میں ان عظیم نعمتوں پر ان کے کفران اور ناشکر گزاری کی حالت کو منعکس کیا گیا ہے۔ اس میں اس بات کی نشاندہی ہے کہ وہ کس قسم کے ہٹ دھرم لوگ تھے۔ شاید تاریخ دنیا میں ایسی کوئی مثال نہ ملے گی کہ کچھ لوگوں پر اس طرح سے

الطاف الہی ہو لیکن انہوں نے اس طرح سے اس کے مقابلے میں ناشکر ی اور نا فرمانی کی ہو۔
پہلے فرمایا گیا ہے:

”یاد کرو اس وقت کو جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم سے ہر گز یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی غذا پر قناعت

کرلیں،(من و سلویٰ کتنی ہی لذیذ غذا ہو، ہم مختلف قسم کی غذا چاہتے ہیں۔[71]

”لہذا خدا سے خواہش کرو کہ وہ زمین سے جو کچھ اگایا کرتا ہے ہمارے لئے بھی اگائے سبزیوں میں

سے،ککڑی،لہسن،مسور اور پیاز۔“[72]

لیکن موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: ”کیا تم بہتر کے بجائے پست تر غذا پسند کرتے ہو۔“[73]

”جب معاملہ ایسا ہی ہے تو پھر اس بیابان سے نکلو اور کسی شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرو کیونکہ جو

کچھ تم چاہتے ہو وہ وہاں ہے۔“[74]

یعنی تم لوگ اس وقت اس بیابان میں خود سازی اور امتحان کی منزل میں ہو،یہاں مختلف کھانے نہیں مل

سکتے،جاؤ شہر میں جاؤ تاکہ یہ چیزیں تمہیں مل جائیں،لیکن یہ خود سازی کا پروگرام وہاں نہیں ہے۔

اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے کہ خدا نے ان کی پیشانی پر ذلت و فقر کی مہر لگادیااور وہ دوبارہ غضب الہی

میں گرفتار ہو گئے ۔

یہ اس لئے ہوا کہ وہ آیات الہی کا انکار کرتے تھے اور ناحق انبیاء کو قتل کرتے تھے ۔ یہ سب اس لئے تھا کہ وہ

گناہ،سرکشی اور تجاوز کے مرتکب ہوتے تھے۔[75]

عظیم وعدہ گاہ

قرآن میں بنی اسرائیل کی زندگی کا ایک اور منظر بیان کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو

اپنی قوم سے جھگڑنا پڑا ہے،حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا کے مقام وعدہ پر جانا،وحی کے ذریعے احکام

توریت لینا،خدا سے باتیں کرنا،کچھ بزرگان بنی اسرائیل کو میعاد گاہ میں ان واقعات کے مشاہدہ کے لئے لانا،اس

بات کا اظہار ہے کہ خدا کو ان آنکھوں سے ہر گز نہیں دیکھا جاسکتا۔

پہلے فرمایا گیا ہے: ”ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں (پورے ایک مہینہ)کا وعدہ کیا،اس کے بعد مزید دس راتیں

بڑھا کر اس وعدہ کی تکمیل کی، چنانچہ موسیٰ سے خدا کا وعدہ چالیس راتوں میں پورا ہوا۔“[76]

اس کے بعد اس طرح بیان کیا گیا ہے: ”موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا:میری قوم میں تم میرے جانشین بن

جاؤ اور ان کی اصلاح کی کوشش کرو اور کبھی مفسدوں کی پیروی نہ کرنا۔“[77]، [78]

دیدار پرودگار کی خواہش

قرآن میں بنی اسرائیل کی زندگی کے بعض دیگر مناظر پیش کئے گئے ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ بنی

اسرائیل کے ایک گروہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے اصرار کے ساتھ یہ خواہش کی کہ وہ خدا کو

دیکھیں گے۔ اگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو وہ ہر گز ایمان نہ لائیں گے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا اور انہیں اپنے ہمراہ پروردگار کی میعادگاہ کی طرف لے گئے، وہاں پہنچ کر ان لوگوں کی درخواست کو خدا کی بارگاہ میں پیش کیا۔ خدا کی طرف سے اس کا ایسا جواب ملا جس سے بنی اسرائیل کے لئے یہ بات اچھی طرح سے واضح ہو گئی۔ ارشاد ہوتا ہے: ”جس وقت موسیٰ ہماری میعادگاہ میں آئے اور ان کے پروردگار نے ان سے باتیں کیں تو انہوں نے کہا: اے پروردگار خود کو مجھے دکھلا دے تاکہ میں تجھے دیکھ لوں۔“ [79]

لیکن موسیٰ علیہ السلام نے فوراً خدا کی طرف سے یہ جواب سنا: تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن پہاڑ کی جانب نظر کرو اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تب مجھے دیکھ سکو گے۔ جس وقت خدا نے پہاڑ پر جلوہ کیا تو اسے فنا کر دیا اور اسے زمین کے برابر کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ہولناک منظر دیکھا تو ایسا اضطراب لاحق ہوا کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اور جب ہوش میں آئے تو خدا کی بارگاہ میں عرض کی پروردگارا! تو منزہ ہے، میں تیری طرف پلٹتا ہوں، اور توبہ کرتا ہوں اور میں پہلا ہوں مومنین میں سے۔ [80]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رویت کی خواہش کیوں کی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ذات خداوندی قابل دید نہیں ہے کیونکہ نہ تو وہ جسم ہے، نہ اس کے لئے کوئی مکان و جہت ہے اس کے باوجود انہوں نے ایسی خواہش کیسے کردی جو فی الحقیقت ایک عام انسان کی شان کے لئے بھی مناسب نہیں ہے؟ سب سے واضح جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ خواہش دراصل اپنی قوم کی طرف سے کی تھی کیونکہ بنی اسرائیل کے جہلاء کے ایک گروہ کا یہ اصرار تھا کہ وہ خدا کو کھلم کھلا دیکھیں گے تب ایمان لائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی جانب سے یہ حکم ملا کہ وہ اس درخواست کو خدا کی بارگاہ میں پیش کریں تا کہ سب اس کا جواب سن لیں، کتاب عیون اخبار الرضا میں امام رضا علیہ السلام سے جو حدیث مروی ہے وہ بھی اس مطلب کی تائید کرتی ہے۔ [81]

الواح توریت

آخر کار اس عظیم میعادگاہ میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر اپنی شریعت کے قوانین نازل فرمائے۔ پہلے ان سے فرمایا: ”اے موسیٰ! میں نے تمہیں لوگوں پر منتخب کیا ہے، اور تم کو اپنی رسالتیں دی ہیں، اور تم کو اپنے ساتھ گفتگو کا شرف عطا کیا ہے۔“ [82]

اب جبکہ ایسا ہے تو ”جو میں نے تم کو حکم دیا ہے اسے لے لو اور ہمارے اس عطیہ پر شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔“ [83]

اس کے بعد اضافہ کیا گیا ہے کہ: ہم نے جو الواح موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی تھیں ان پر ہر موضوع کے بارے میں کافی نصیحتیں تھیں اور ضرورت کے مسائل کی شرح اور بیان تھا۔

اس کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ ”بڑی توجہ اور قوت ارادی کے ساتھ ان فرامین کو اختیار کرو۔“ [84] اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ ان میں جو بہترین ہیئانہیں اختیار کریں۔

اور انہیں خبردار کردو کہ ان فرامین کی مخالفت اور ان کی اطاعت سے فرار کرنے کا نتیجہ دردناک ہے اور اس کا انجام دوزخ ہے اور ”میں جلد ہی فاسقوں کی جگہ تمہیں دکھلا دوں گا۔“ [85]

[86]۱۔ الواح کس چیز کی بنی ہوئی تھیں: اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ خداوند کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو الواح نازل کی تھیں ان میں توریت کی شریعت اور قوانین لکھے ہوئے تھے، ایسا نہ تھا کہ یہ لوحیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں تھیں اور اس میں فرامین منعکس ہو گئے تھے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ لوحیں کیسی تھیں؟ کس چیز کی بنی ہوئی تھیں؟ قرآن نے اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے صرف کلمہ ”الواح“ سربستہ طور پر آیا ہے۔ جو دراصل ”لاح یلوح“ کے مادہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ظاہر ہونے اور چمکنے کے ہیں۔ چونکہ صفحہ کے ایک طرف لکھنے سے حروف نمایاں ہوجاتے ہیں اور مطلب آشکار ہوجاتے ہیں، اس لئے صفحہ کو جس پر کچھ لکھا جائے ”لوح“ کہتے ہیں۔ لیکن روایات و اقوال مفسرین میں ان الواح کی کیفیت کے بارے میں اور ان کی جنس کے بارے میں گوناگوں احتمالات ذکر کئے گئے ہیں۔ چونکہ ان میں سے کوئی بھی یقینی نہیں ہے اس لئے ان کے ذکر سے ہم اعراض کرتے ہیں۔

۲۔ کلام کیسے ہوا: قرآن کریم کی مختلف آیات سے استفادہ ہوتا ہے کہ خداوند متعال نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، خدا کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا اس طرح تھا کہ اس نے صوتی امواج کو فضا میں یا کسی جسم میں پیدا کر دیا تھا۔ کبھی یہ امواج صوتی ”شجرہ“ وادی ایمن ”سے ظاہر ہوتی تھیں اور کبھی ”کوہ طور“ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کان میں پہنچتی تھیں۔ جن لوگوں نے صرف الفاظ پر نظر کی ہے اور اس پر غور نہیں کیا کہ یہ الفاظ کہاں سے نکل سکتے ہیں انہوں نے یہ خیال کیا کہ خدا کا کلام کرنا اس کے تجسم کی دلیل ہے۔ حالانکہ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔

یہودیوں میں گوسالہ پرستی کا آغاز

قرآن میں افسوسناک اور تعجب خیز واقعات میں سے ایک واقعہ کا ذکر ہوا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے میقات کی طرف جانے کے بعد بنی اسرائیل میں رونما ہوا۔ وہ واقعہ ان لوگوں کی گوسالہ پرستی ہے۔ جو ایک شخص بنام ”سامری“ نے زیور و آلات بنی اسرائیل کے ذریعے شروع کیا۔

سامری کو چونکہ اس بات کا احساس تھا کہ قوم موسیٰ علیہ السلام عرصہ دراز محرومی اور مظلومی کی زندگی بسر کر رہی تھی اس وجہ سے اس میں مادہ پرستی پائی جاتی تھی اور حب زر کا جذبہ بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ جیسا کہ آج بھی ان کی یہی صفت ہے لہذا اس نے یہ چالاکی کی کہ وہ مجسمہ سونے کا بنایا کہ اس طرح ان کی توجہ زیادہ سے زیادہ اس کی طرف مبذول کراسکے۔

اب رہا یہ سوال کہ اس محروم و فقیر ملت کے پاس اس روز اتنی مقدار میں زریور کہاں سے آگیا کہ اس سے یہ مجسمہ تیار ہو گیا؟ اس کا جواب روایات میں اس طرح ملتا ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں نے ایک تہوار کے موقع پر فرعونوں سے زیورات مستعار لئے تھے یہ اسوقت کی بات ہے جس کے بعد ان کی غرقابی عمل میں آئی تھی۔ اس کے بعد وہ زیورات ان عورتوں کے پاس باقی رہ گئے تھے۔

اتنا ضرور ہے کہ یہ حادثہ مثل دیگر اجتماعی حوادث کے بغیر کسی آمادگی اور مقدمہ کے وقوع پذیر نہیں ہوا بلکہ اس میں متعدد اسباب کار فرما تھے، جن میں سے بعض یہ ہیں:

بنی اسرائیل عرصہ دراز سے اہل مصر کی بت پرستی دیکھتے آرہے تھے۔ جب دریائے نیل کو عبور کیا تو انہوں نے ایک قوم کو دیکھا جو بت کی پرستش کرتی تھی۔ جیسا کہ قرآن نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور گذشتہ میں بھی اس کا ذکر گزرا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کی طرح کا بت بنانے کی فرمائش کی جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سخت سرزنش کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے میقات کا پہلے تیس راتوں کا ہونا اس کے بعد چالیس راتوں کا ہوجانا اس سے بعض منافقوں کو یہ موقع ملا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کی افواہ پھیلا دیں۔ قوم موسیٰ علیہ السلام میں بہت سے افراد کا جھل و نادانی سے متصف ہونا اس کے مقابلے میں سامری کی مکاری و مہارت کیونکہ اس نے بڑی ہوشیاری سے بت پرستی کے پروگرام کو عملی جامہ پہنایا، بھر حال ان تمام باتوں نے اکٹھا ہو کر اس بات کے اسباب پیدا کئے کہ بنی اسرائیل کی اکثریت بت پرستی کو قبول کرے اور ”گوسالہ“ کے چاروں طرف اس کے ماننے والے ہنگامہ برپا کر دیں۔

دودن میں چھ لاکھ گوسالہ پرست بن گئے!!

سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بعض مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں یہ انحرافی تبدیلیاں صرف گنتی کے چند دنوں کے اندر واقع ہو گئیں جب موسیٰ علیہ السلام کو میعاد گاہ کی طرف گئے ہوئے ۳۵ دن گزر گئے تو سامری نے اپنا کام شروع کر دیا اور بنی اسرائیل سے مطالبہ کیا کہ وہ تمام زیورات جو انہوں نے فرعونیوں سے عاریتاً لئے تھے اور ان کے غرق ہوجانے کے بعد وہ انہیں کے پاس رہ گئے تھے انہیں جمع کریں چھتیسویں ، سنتیسویں اور اڑتیسویں دن انہیں ایک کٹھالی میں ڈالا اور پگھلا کر اس سے گوسالہ کا مجسمہ بنا دیا اور انتالیسویں دن انہیں اس کی پرستش کی دعوت دی اور ایک بہت بڑی تعداد (کچھ روایات کی بناء پر چھ لاکھ افراد) نے اسے قبول کر لیا اور ایک روز بعد یعنی چالیس روز گزرنے پر موسیٰ علیہ السلام واپس آگئے ۔ قرآن اس طرح فرماتا ہے:

”قوم موسیٰ نے موسیٰ کے میقات کی طرف جانے کے بعد اپنے زیورات و آلات سے ایک گوسالہ بنایا جو ایک بے جان جسد تھا جس میں سے گائے کی آواز آتی تھی۔ [87]

اسے انہوں نے اپنے واسطے انتخاب کیا “

اگرچہ یہ عمل سامری سے سرزد ہوا تھا۔ [88]

لیکن اس کی نسبت قوم موسیٰ کی طرف دی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اس کام میں سامری کی مدد کی تھی اور وہ اس کے شریک جرم تھے اس کے علاوہ ان لوگوں کی بڑی تعداد اس کے فعل پر راضی تھی ۔

قرآنی گفتگو کا ظاہر یہ ہے کہ تمام قوم موسیٰ اس گوسالہ پرستی میں شریک تھی لیکن اگر دوسری آیت پر نظر کی جائے جس میں آیا ہے کہ :

”قوم موسیٰ میں ایک امت تھی جو لوگوں کو حق کی ہدایت کرتی تھی اور اسی کی طرف متوجہ تھی۔“ [89]

اس سے معلوم ہوگا کہ اس سے مراد تمام امت موسیٰ نہیں ہے بلکہ اس کی اکثریت اس گوسالہ پرستی کی تابع ہو گئی تھی، جیسا کہ آئندہ آنے والا ہے کہ وہ اکثریت اتنی زیادہ تھی کہ حضرت ہارون علیہ السلام مع اپنے

ساتھیوں کے ان کے مقالے میں ضعیف و ناتواں ہو گئے تھے ۔

گوسالہ پرستوں کے خلاف شدید رد عمل

یہاں پر قرآن میں اس کشمکش اور نزاع کا ماجرا بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور گوسالہ پرستوں کے درمیان واقع ہوئی جب وہ میعادگاہ سے واپس ہوئے جس کی طرف گذشتہ میں صرف اشارہ کیا گیا تھا یہاں پر تفصیل کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس رد عمل کو بیان کیا گیا ہے جو اس گروہ کے بیدار کرنے کے لئے ان سے ظاہر ہوا ۔

پہلے ارشاد ہوتا : ” جس وقت موسیٰ غضبناک ورنجیدہ اپنی قوم کی طرف پلٹے اور گوسالہ پرستی کانفرنس انگیز منظر دیکھا تو ان سے کہا کہ تم لوگ میرے بعد برے جانشین نکلے تم نے میرا آئین ضائع کر دیا “۔ [90]

یہاں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میعاد گاہ پروردگار سے پلٹتے وقت قبل اس کے کہ بنی اسرائیل سے ملتے، غضبناک اور اندوہ گین تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ خدا نے میعادگاہ میں انہیں اس کی خبر دے دی تھی ۔

جیسا کہ قرآن کہتا ہے : میں نے تمہارے پیچھے تمہاری قوم کی آزمائش کی لیکن وہ اس آزمائش میں پوری نہ اتری اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: ” آیا تم نے اپنے پروردگار کے فرمان کے بارے میں جلدی کی “۔ [91]

تم نے خدا کے اس فرمان، کہ اس نے میعاد کا وقت تیس شب سے چالیس شب کر دیا ، جلدی کی اور جلد فیصلہ کر دیا ، میرے نہ آنے کو میرے مرنے یا وعدہ خلافی کی دلیل سمجھ لیا، حالانکہ لازم تھا کہ تھوڑا صبر سے کام لیتے ، چند روز اور انتظار کر لیتے تاکہ حقیقت واضح ہو جاتی ۔

اس وقت جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی زندگی کے ان طوفانی و بحرانی لمحات سے گزر رہے تھے، سرسے پیر تک غصہ اور افسوس کی شدت سے بھڑک رہے تھے، ایک عظیم اندوہ نے ان کے وجود پر سایہ ڈال دیا تھا اور انہیں بنی اسرائیل کے مستقبل کے بارے میں بڑی تشویش لاحق تھی، کیونکہ تخریب اور تباہ کاری آسانی سے ہو جاتی ہے کبھی صرف ایک انسان کے ذریعے بہت بڑی خرابی اور تباہی واقع ہو جاتی ہے لیکن اصلاح اور تعمیر میں دیر لگتی ہے ۔

خاص طور پر جب کسی نادان متعصب اور بٹ دھرم قوم کے درمیان کوئی غلط سازبجادیائے تو اس کے بعد اس کے برے اثرات کا زائل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

بے نظیر غصہ

اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غصہ کرنا چاہئے تھا اور ایک شدید رد عمل ظاہر کرنا چاہئے تھا تاکہ بنی اسرائیل کے فاسد افکار کی بنیاد گر اگر اس منحرف قوم میں انقلاب برپا کر دیں ، ورنہ تو اس قوم کو پلٹانا مشکل تھا۔

قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ شدید ردّ عمل بیان کیا ہے جو اس طوفانی و بحرانی منظر کو دیکھنے کے بعد ان سے ظاہر ہوا، موسیٰ علیہ السلام نے بے اختیار نہ طور پر اپنے ہاتھ سے توریت کی الواح کو زمین پر ڈال دیا اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے پاس گئے اور ان کے سر اور داڑھی کے بالوں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا“ [92]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے علاوہ ہارون علیہ السلام کو بڑی شدت سے سرزنش کی اور بآواز بلند چیخ کر پکارے:

کیا تم نے بنی اسرائیل کے عقائد کی حفاظت میں کوتاہی کی اور میرے فرمان کی مخالفت کی؟“ [93]

درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ردّ عمل ایک طرف تو ان کی اس واردات قلبی، بے قراری اور شدید ناراضی کی حکایت کرتا ہے تاکہ بنی اسرائیل کی عقل میں ایک حرکت پیدا ہو اور وہ اپنے اس عمل کی قباحت کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

بنابریں اگرچہ بالفرض الواح توریت کا پھینک دینا قابل اعتراض معلوم ہوتا ہو، اور بھائی کی شدید سرزنش نادرست ہو لیکن اگر حقیقت کی طرف توجہ کی جائے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شدید اور پریہیجانی ردّ عمل کا اظہار نہ کرتے تو ہر گز بنی اسرائیل اپنی غلطی کی سنگینی اور اہمیت کا اندازہ نہیں کرسکتے تھے، ممکن تھا کہ اس بت پرستی کے آثارِ بدان کے ذہنوں میں باقی رہ جاتے لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ نہ صرف غلط نہ تھا بلکہ امر لازم تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس واقعہ سے اس قدر ناراض ہوئے کہ تاریخ بنی اسرائیل میں کبھی اس قدر ناراض نہ ہوئے تھے کیونکہ ان کے سامنے بدترین منظر تھا یعنی بنی اسرائیل خدا پرستی کو چھوڑ کر گوسالہ پرستی اختیار کرچکے تھے جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وہ تمام زحماتیں جو انہوں نے بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے کی تھیں سب برباد ہو رہی تھیں۔

لہذا ایسے موقع پر الواح کا ہاتھوں سے گرجانا اور بھائی سے سخت مواخذہ کرنا ایک طبعی امر تھا۔

اے میری ماں کے بیٹے! میں بے گناہ ہوں

اس شدید رد عمل اور غیظ و غضب کے اظہار نے بنی اسرائیل پر بہت زیادہ تربیتی اثر مرتب کیا اور منظر کو بالکل پلٹ دیا جبکہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نرم زبان استعمال کرتے تو شاید اس کا تھوڑا سا اثر بھی مرتب نہ ہوتا۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے : ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی محبت کو برانگیختہ کرنے کے لئے اور اپنی بے گناہی بیان کرنے کے لئے کہا:

”اے میرے ماں جائے: اس نادان امت کے باعث ہم اس قدر قلیل ہو گئے کہ نزدیک تھا کہ مجھے قتل کردیں لہذا میں بالکل بے گناہ ہوں لہذا آپ کوئی ایسا کام نہ کریں کہ دشمن ہنسی اڑائیں اور مجھے اس ستمگر امت کی صف میں قرار نہ دیں۔“ [94]

قرآن میں جو ”ابن ام“ کی تعبیر آئی ہے جس کے معنی (اے میری ماں کے بیٹے، کے ہیں) حالانکہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں ایک والدین کی اولاد تھے یہ اس لئے تھا کہ حضرت ہارون چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ کا جذبہ محبت بیدار کریں بھر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ تدبیر کار آمد ہوئی اور بنی اسرائیل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے توبہ کی خواہش کا اظہار کیا۔“

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آتش غضب کم ہوئی اور وہ درگاہ خداوندی کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض

کی :

”پروردگارا! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت بے پایاں میں داخل کردے، تو تمام مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔“ [95]

اپنے لئے اور اپنے بھائی کے لئے بخشش طلب کرنا اس بنا پر نہیں تھا کہ ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا بلکہ یہ پروردگار کی بارگاہ میں ایک طرح کا خضوع و خشوع تھا اور اس کی طرف بازگشت تھی اور بت پرستوں کے اعمال زشت سے اظہار تنفر تھا۔ [96]

طلائی گوسالہ سے کس طرح آواز پیدا ہوئی؟

سامری جو کہ ایک صاحب فن انسان تھا اس نے اپنی معلومات سے کام لے کر طلائی گوسالہ کے سینے میں کچھ مخصوص نل (PIPE) اس طرح مخفی کر دیئے جن کے اندر سے دباؤ کی وجہ سے جب ہوا نکلتی تھی تو گائے کی آواز آتی تھی۔

کچھ کا خیال ہے کہ گوسالہ کا منہ اس طرح کا پیچیدہ بنایا گیا تھا کہ جب اسے ہوا کے رخ پر رکھا جاتا ہے تو اس کے منہ سے یہ آواز نکلتی تھی۔

قرآن میں پڑھتے ہیں کہ جناب موسیٰ نے سامری سے باز پرس شروع کی اور کہا: ”یہ کیا کام تھا کہ جوتونے انجام دیا ہے اور اے سامری: تجھے کس چیز نے اس بات پر آمادہ کیا۔

اس نے جواب میں کہا: ”میں کچھ ایسے مطالب سے آگاہ ہوا کہ جو انہوں نے نہیں دیکھے اور وہ اس سے آگاہ نہیں ہوئے۔“

میں نے ایک چیز خدا کے بھیجے ہوئے رسول کے آثار میں سے لی اور پھر میں نے اسے دور پھینک دیا اور میرے نفس نے اس بات کو اسی طرح مجھے خوش نما کر کے دکھایا“ [97]

اس بارے میں کہ اس گفتگو سے سامری کی کیا مراد تھی، مفسرین کے درمیان دو تفسیریں مشہور ہیں: پہلی یہ کہ اس کا مقصد یہ تھا کہ فرعون کے لشکر کے دریائے نیل کے پاس آنے کے موقع پر میں نے جبرئیل کو ایک سواری پر سوار دیکھا کہ وہ لشکر کو دریا کے خشک شدہ راستوں پر ورود کے لئے تشویق دینے کی خاطر ان کے آگے چل رہا تھا میں نے کچھ مٹی ان کے پاؤں کے نیچے سے یا ان کی سواری کے پاؤں کے نیچے سے اٹھالی اور اسے سنبھال کر رکھا اور اسے سونے کے بچھڑے کے اندر ڈالا اور یہ صدا اسی کی برکت سے پیدا ہوئی ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ میں ابتداء میں میں خدا کے اس رسول (موسیٰ) کے کچھ آثار پر ایمان لے آیا اس کے بعد مجھے اس میں کچھ شک اور تردد ہوا لہذا میں نے اسے دور پھینک دیا اور بت پرستی کے دین کی طرف مائل ہو گیا اور یہ میری نظر میں زیادہ پسندیدہ اور زیبا ہے !!

سامری کی سزا

یہ بات صاف طور پر واضح اور روشن ہے کہ موسیٰ کے سوال کے جواب میں سامری کی بات کسی طرح بھی قابل

قبول نہیں تھی، لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے مجرم ہونے کا فرمان اسی عدالت میں صادر کر دیا اور اسے اس گوسالہ پرستی کے بارے میں تین حکم دیئے۔

پہلا حکم یہ کہ اس سے کہا ”تو لوگوں کے درمیان سے نکل جا اور کسی کے ساتھ میل ملاپ نہ کر اور تیری باقی زندگی میں تیرا حصہ صرف اتنا ہے کہ جو شخص بھی تیرے قریب آئے گا تو اس سے کہے گا ”مجھ سے مس نہ ہو“۔ [98]

اس طرح ایک قاطع اور دوٹوک فرمان کے ذریعے سامری کو معاشرے سے باہر نکال پھینکا اور اسے مطلق گوشہ نشینی میں ڈال دیا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ”مجھ سے مس نہ ہو“ کا جملہ شریعت موسیٰ علیہ السلام کے ایک فوجداری قانون کی طرف اشارہ ہے کہ جو بعض ایسے افراد کے بارے میں کہ جو سنگین جرم کے مرتکب ہوتے تھے صادر ہوتا تھا وہ شخص ایک ایسے موجود کی حیثیت سے کہ جو پلید ونجس وناپاک ہو، قرار پا جاتا تھا کوئی اس سے میل ملاپ نہ کرے اور نہ اسے یہ حق ہوتا تھا وہ کسی سے میل ملاپ رکھے۔

سامری اس واقعے کے بعد مجبور ہو گیا کہ وہ بنی اسرائیل اور ان کے شہر و دیار سے باہر نکل جائے اور بیابانوں میں جارہے اور یہ اس جاہ طلب انسان کی سزا ہے کہ جو اپنی بدعتوں کے ذریعے چاہتا تھا کہ بڑے بڑے گروہوں کو منحرف کر کے اپنے گرد جمع کرے، اسے نا کام ہی ہونا چاہئے یہاں تک کہ ایک بھی شخص اس سے میل ملاپ نہ رکھے اور اس قسم کے انسان کے لئے یہ مکمل بائیکاٹ موت اور قتل ہونے سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ وہ ایک پلید اور آلودہ وجود کی صورت میں ہر جگہ سے راندہ اور دھتکارا ہوا ہوتا ہے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ سامری کا بڑا جرم ثابت ہوجانے کے بعد حضرت موسیٰ نے اس کے بارے میں نفرین کی اور خدا نے اسے ایک پر اسرار بیماری میں مبتلا کر دیا کہ جب تک وہ زندہ رہا کوئی شخص اسے چھو نہیں سکتا تھا اور اگر کوئی اسے چھولیتا تو وہ بھی بیماری میں گرفتار ہوجاتا۔ پایہ کہ سامری ایک قسم کی نفسیاتی بیماری میں جو ہر شخص سے وسواس شدید اور وحشت کی صورت میں تھی؛ گرفتار ہو گیا، اس طرح سے کہ جو شخص بھی اس کے نزدیک ہوتا وہ چلاتا کہ ”مجھے مت چھونا“۔ سامری کے لئے دوسری سزا یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے قیامت میں ہونے والے عذاب کی بھی خبر دی اور کہا تیرے آگے ایک وعدہ گاہ ہے، خدائی دردناک عذاب کا وعدہ کہ جس سے ہرگز نہیں بچ سکے گا“ [99]

تیسرا کام یہ تھا کہ جو موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا: ”اپنے اس معبود کو کہ جس کی تو ہمیشہ عبادت کرتا تھا ذرا دیکھ اور نگاہ کر ہم اس کو جلا رہے ہیں اور پھر اس کے ذرات کو دریا میں بکھیر دیں گے“ (تاکہ ہمیشہ کے لئے نابود ہوجائے) [100][101]

گناہِ عظیم اور کم نظیر توبہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس شدید رد عمل نے اپنا اثر دکھایا اور جن لوگوں نے گوسالہ پرستی اختیار کی تھی اور ان کی تعداد اکثریت میں تھی وہ اپنے کام سے پشیمان ہوئے ان کی شاید مذکورہ پشیمانی کافی تھی، قرآن نے یہ اضافہ کیا ہے: باقی رہتا ہے یہ سوال کہ اس ”غضب“ اور ”ذلت“ سے کیا مراد ہے؟ قرآن نے اس امر کی کوئی توضیح نہیں کی ہے صرف سرپرستہ کہہ کر بات آگے بڑھادی ہے۔

لیکن ممکن ہے اس سے ان بد بختیوں اور پریشانیوں کی جانب اشارہ مقصود ہو جو اس ماجرے کے بعد اور بیت المقدس میں ان کی حکومت سے پہلے انہیں پیش آئیں ۔
یا اس سے مراد اللہ کا وہ حکم ہو جو اس گناہ کے بعد انہیں دیا گیا کہ وہ بطور پاداش ایک دوسرے کو قتل کریں ۔

قرآن اس کے بعد اس گناہ سے توبہ کے سلسلے میں کہتا ہے: ”اور یاد کرو اس وقت کو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے قوم! تم نے بچھڑے کو منتخب کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، اب جو ایسا ہو گیا ہے تو توبہ کرو اور اپنے پیدا کرنے والے کی طرف پلٹ آؤ۔“

”تمہاری توبہ اس طرح ہونی چاہیئے کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو۔ یہ کام تمہارے لئے تمہارے خالق کی بارگاہ میں بہتر ہے۔ اس ماجرے کے بعد خدا نے تمہاری توبہ قبول کر لی جو ثواب و رحیم ہے۔“ [102]
اس میں شک نہیں کہ سامری کے بچھڑے کی پرستش و عبادت کوئی معمولی بات نہ تھی وہ قوم جو خدا کی یہ تمام آیات دیکھ چکی تھی اور اپنے عظیم پیغمبر کے معجزات کا مشاہدہ کر چکی تھی ان سب کو بھول کر پیغمبر کی ایک مختصر سی غیبت میں اصل توحید اور آئین خداوندی کو پورے طور پر پاؤں تلے روند دے اور بت پرست ہو جائے۔

اب اگر یہ بات ان کے دماغ سے ہمیشہ کے لئے جڑ سے نہ نکالی جاتی تو خطرناک حالت پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اور ہر موقعے کے بعد اور خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بعد ممکن تھا ان کی دعوت کی تمام آیات ختم کردی جاتیں اور اس عظیم قوم کی تقدیر مکمل طور پر خطرے سے دوچار ہو جاتی۔

اکٹھا قتل

یہاں شدت عمل سے کام لیا گیا اور صرف پشیمانی اور زبان سے اظہار توبہ پر ہرگز قناعت نہ کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کی طرف سے ایسا سخت حکم صادر ہوا جس کی مثال تمام انبیاء کی طویل تاریخ میں کہیں نہیں ملتی اور وہ یہ کہ توبہ اور توحید کی طرف باز گشت کے سلسلے میں گناہگاروں کے کثیر گروہ کے لئے اکٹھا قتل کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ فرمان بھی ایک خاص طریقے سے جاری ہونا چاہیئے تھا اور وہ یہ ہوا کہ وہ لوگ خود تلواریں ہاتھ میں لے کر ایک دوسرے کو قتل کریں کہ ایک اس کا اپنا مارا جانا عذاب ہے اور دوسرا دوستوں اور شناساؤں کا قتل کرنا۔

بعض روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ ایک تاریک رات میں وہ تمام لوگ جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی غسل کریں کفن پہن لیں اور صفیاباندھ کر ایک دوسرے پر تلوار چلائیں۔ ممکن ہے یہ تصور کیا جائے کہ یہ توبہ کیوں اتنی سختی سے انجام پذیر ہوئی کیا یہ ممکن نہ تھا کہ خدا ان کی توبہ کو بغیر اس خونریزی کے قبول کر لیتا۔

اس سوال کا جواب گذشتہ گفتگو سے واضح ہوجاتا ہے کیونکہ اصل توحید سے انحراف اور بت پرستی کی طرف جھکاؤ کا مسئلہ اتنا سادہ اور آسان نہ تھا کہ اتنی آسانی سے درگزر کردیا جاتا اور وہ بھی ان واضح معجزات اور خدا کی بڑی بڑی نعمتوں کے مشاہدے کے بعد ۔ در حقیقت ادیان آسمانی کے تمام اصولوں کو توحید اور یگانہ پرستی میں جمع کیا جاسکتا ہے۔ اس اصل کا متزلزل ہونا دین کی تمام بنیادوں کے خاتمے کے برابر ہے اگر گاؤ

پرستی کے مسئلے کو آسان سمجھ لیا جاتا تو شاید آنے والے لوگوں کے لئے سنت بن جاتا۔
 خصوصاً بنی اسرائیل کے لئے جن کے بارے میں تاریخ شاہد ہے کہ ضدی اور بھانہ باز لوگ تھے۔ لہذا چاہئے تھا کہ
 ان کی ایسی گوشمالی کی جائے کہ اس کی چبھن تمام صدیوں اور زمانوں تک باقی رہ جائے اور اس کے بعد کوئی
 شخص بت پرستی کی فکر میں نہ پڑے۔

خدا کی آیات کو مضبوطی سے پکڑ لو

عظیم اسلامی مفسر مرحوم طبرسی، ابن زید کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں: جس وقت حضرت موسیٰ علیہ
 السلام کوہ طور سے واپس آئے اور اپنے ساتھ توریت لائے تو اپنی قوم کو بتایا کہ میں آسمانی کتاب لے کر آیا ہوں
 جو دینی احکام اور حلال و حرام پر مشتمل ہے۔ یہ وہ احکام ہیں جنہیں خدا نے تمہارے لئے عملی پروگرام قرار
 دیا ہے۔ اسے لے کر اس کے احکام پر عمل کرو۔ اس بھانے سے کہ یہ ان کے لئے مشکل احکام ہیں، یہودی نافرمانی
 اور سرکشی پر تل گئے۔ خدا نے بھی فرشتوں کو مامور کیا کہ وہ کوہ طور کا ایک بہت بڑا ٹکڑا ان کے سروں پر لاکر
 کھڑا کر دیں، اسی اثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں خبر دی کہ عہد و پیمان باندھ لو، احکام خدا پر
 عمل کرو، سرکشی و بغاوت سے توبہ کرو تو تم سے یہ عذاب ٹل جائے گا ورنہ سب ہلاک ہو جاؤ گے۔
 اس پر انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ توریت کو قبول کیا اور خدا کے حضور میں سجدہ کیا۔ جب کہ ہر لحظہ وہ
 کوہ طور کے اپنے سروں پر گرنے کے منتظر تھے لیکن بالآخر ان کی توبہ کی وجہ سے عذاب الہی ٹل گیا۔
 یہ نکتہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ کوہ طور کے بنی اسرائیل کے سروں پر مسلط ہونے کی کیفیت کے سلسلے
 میں مفسرین کی ایک جماعت کا اعتقاد ہے کہ حکم خدا سے کوہ طور اپنی جگہ سے اکھڑ گیا اور سائبان کی طرح
 ان کے سروں پر مسلط ہو گیا۔

جبکہ بعض دوسرے مفسرین یہ کہتے ہیں کہ پہاڑ میں سخت قسم کا زلزلہ آیا، پہاڑ اس طرح لرزنے اور حرکت
 کرنے لگا کہ کسی بھی وقت وہ ان کے سروں پر آگرے گا لیکن خدا کے لطف و کرم سے زلزلہ رک گیا اور پہاڑ اپنی
 جگہ پر قائم ہو گیا۔

یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ پہاڑ کا ایک بہت بڑا ٹکڑا زلزلے اور شدید بجلی کے زیر اثر اپنی جگہ سے اکھڑ کر ان
 کے سروں کے اوپر سے بحکم خدا اس طرح گزرا ہو کہ چند لحظے انہوں نے اسے اپنے سروں پر دیکھا ہو اور یہ
 خیال کیا ہو کہ وہ ان پر گرنا چاہتا ہے لیکن یہ عذاب ان سے ٹل گیا اور وہ ٹکڑا کہیں دور جاگرا۔ [103]
 آئیے۔ واقعہ کی تفصیل قرآن میں پڑھتے ہیں: ”اور (وہ وقت کہ) جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کوہ طور کو
 تمہارے سروں کے اوپر مسلط کر دیا اور تمہیں کہا کہ، جو کچھ (آیات و احکام میں) ہم نے تمہیں دیا ہے اسے
 مضبوطی سے تھامو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو (اور اس پر عمل کرو) شاید اس طرح تم پر ہیزگار
 ہو جاؤ۔“ [104]

اس کے بعد پھر تم نے روگردانی کی اور اگر تم پر خدا کا فضل و رحمت نہ ہوتا تو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے
 ہوتے۔“ [105]

اس عہد و پیمان میں یہ چیزیں شامل تھیں: پروردگار کی توحید پر ایمان رکھنا، ماں باپ، عزیز و اقارب، یتیم اور
 حاجتمندوں سے نیکی کرنا اور خونریزی سے پرہیز کرنا۔ یہ کلی طور پر ان صحیح عقائد اور خدائی پروگراموں کے

بارے میں عہد و پیمان تھا جن کا توریت میں ذکر کیا گیا تھا۔

کوه طور

کوه طور سے مراد یہاں اسم جنس ہے یا یہ مخصوص پہاڑ ہے۔ اس سلسلے میں دو تفسیریں موجود ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ طور اسی مشہور پہاڑ کی طرف اشارہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی۔ لیکن بعض کے نزدیک یہ احتمال بھی ہے کہ طور لغوی معنی کے لحاظ سے مطلق پہاڑ ہے۔ یہ وہی چیز ہے جسے سورہ اعراف کی آیہ ۱۷۱ میں ”جبل“ سے تعبیر کیا گیا ہے:

توریت کیا ہے

توریت عبرانی زبان کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے ”شریعت“ اور ”قانون“۔ یہ لفظ خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران پر نازل ہونے والی کتاب کے لئے بولا جاتا ہے۔ نیز بعض اوقات عہد عتیق کی کتب کے مجموعے کے لئے اور کبھی کبھی توریت کے پانچوں اسفار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہودیوں کی کتب کے مجموعے کو عہد عتیق کہتے ہیں۔ اس میں توریت اور چند دیگر کتب شامل ہیں۔

توریت کے پانچ حصے ہیں:

جنہیں سفر پیدائش، سفر خروج، سفر لاویان، سفر اعداد اور سفر تثنیہ کہتے ہیں۔ اس کے موضوعات یہ ہیں:

- (۱) کائنات، انسان اور دیگر مخلوقات کی خلقت۔

- (۲) حضرت موسیٰ (ع) بن عمران، گذشتہ انبیاء اور بنی اسرائیل کے حالات وغیرہ۔

- (۳) اس دین کے احکام کی تشریح۔

عہد عتیق کی دیگر کتابیں در اصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے مؤرخین کی تحریر کردہ ہیں۔ ان میں حضرت موسیٰ (ع) بن عمران کے بعد کے نبیوں، حکمرانوں اور قوموں کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ بات بغیر کہے واضح ہے کہ توریت کے پانچوں اسفار سے اگر صرف نظر کر لیا جائے تو دیگر کتب میں سے کوئی کتاب بھی آسمانی کتاب نہیں ہے۔ خود یہودی بھی اس کا دعویٰ نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ حضرت داؤد (ع) سے منسوب زبور جسے وہ ”مزامیر“ کہتے ہیں، حضرت داؤد (ع) کے مناجات اور پندو نصائح کی تشریح ہے۔ رہی بات توریت کے پانچوں سفروں کی تو ان میں ایسے واضح قرائن موجود ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ بھی آسمانی کتابیں نہیں ہیں بلکہ وہ تاریخی کتاب ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد لکھی گئی ہیں کیونکہ ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات، ان کے دفن کی کیفیت اور ان کی وفات کے بعد کے کچھ حالات مذکور ہیں۔

خصوصاً سفر تثنیہ کے آخری حصے میں یہ بات وضاحت سے ثابت ہوتی ہے کہ یہ کتاب حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی وفات سے کافی مدت بعد لکھی گئی ہے۔

علاوہ ازیں ان کتب میں بہت سی خرافات اور ناروا باتیں انبیاء و مرسلین سے منسوب کردی گئی ہیں۔ بعض بچگانہ باتیں بھی ہیں جو ان کے خود ساختہ اور جعلی ہونے پر گواہ ہیں نیز بعض تاریخی شواہد بھی نشاندہی کرتے ہیں کہ اصلی توریت غائب ہوگئی اور پھر حضرت موسیٰ (ع) بن عمران علیہ السلام کے پیروکاروں نے یہ کتابیں تحریر کیں۔

[62] سورہء بقرہ آیت ۵۷۔

[63] سورہء بقرہ آیت ۵۷۔

[64] توریت میں ہے کہ ”من“ دھنیے کے دانوں جیسی کوئی چیز ہے جو رات کو اس سر زمین پر آگرتی تھی، بنی اسرائیل اسے اکٹھا کرکے پیس لیتے اور اس سے روٹی پکاتے تھے جس کا ذائقہ روغنی روٹی جیسا ہوتا تھا۔ ایک احتمال اور بھی ہے کہ بنی اسرائیل کی سرگردانی کے زمانے میں خدا کے لطف و کرم سے جو نفع بخش بارشیں برستی تھیں ان کے نتیجے میں درختوں سے کوئی خاص قسم کا صمغ اور شیرہ نکلتا تھا اور بنی اسرائیل اس سے مستفید ہوتے تھے۔

بعض دیگر حضرات کے نزدیک ”من“ ایک قسم کا طبیعی شہد ہے اور بنی اسرائیل اس بیابان میں طویل مدت تک چلتے پھرتے رہنے سے شہد کے مخزنوں تک پہنچ جاتے تھے کیونکہ ”بیابان تہ“ کے کناروں پر پہاڑ اور سنگلاخ علاقہ تھا جس میں کافی طبیعی شہد نظر آجاتا تھا۔

عہدین (توریت اور انجیل) پر لکھی گئی تفسیر سے اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے جس میں ہے کہ مقدس سر زمین قسم قسم کے پھولوں اور شگوفوں کی وجہ سے مشہور ہے اسی لئے شہد کی مکھیوں کے جتھے ہمیشہ پتھروں کے سوراخوں، درختوں کی شاخوں اور لوگوں کے گھروں پر جا بیٹھتے ہیں اس طرح سے بہت فقیر و مسکین لوگ بھی شہد کھا سکتے تھے۔

اس تحریر سے بھی واضح ہوتا ہے کہ سلویٰ سے مراد وہی پر گوشت پرندہ ہے جو کبوتر کے مشابہ اور اس کے ہم وزن ہوتا ہے اور یہ پرندہ اس سر زمین میں مشہور ہے ۔

[65] اس میں لکھا ہے معلوم ہونا چاہیے کہ بہت بڑی تعداد میں سلویٰ افریقہ سے چل کے شمال کو جاتے ہیں۔ ”جزیرہ کاپری“ ملبایک فصل میں ۱۶ ہزار کی تعداد میں ان کا شکار کیا گیا۔ یہ پرندہ بحیرہ قلزم کے راستے سے آتا ہے۔ خلیج عقبہ اور رسویز کو عبور کرتا ہے۔ ہفتے کو جزیرہ سینا میں داخل ہوتا ہے اور راستے میں اس قدر تکان و تکلیف جھیلنے کی وجہ سے آسانی سے ہاتھ سے پکڑا جا سکتا ہے، اور جب پرواز کرتا ہے تو زمین کے قریب ہوتا ہے۔ اس حصے کے متعلق (توریت کے) سفر خروج اور سفر اعداد میں گفتگو ہوئی ہے۔

[66] سورہء بقرہ آیت ۶۰۔

[67] سورہء بقرہ آیت ۶۰۔

[68] سورہء بقرہ آیت ۶۰۔

[69] توریت کی سترھویں فصل میں سفر خروج کے ذیل میں بھی یوں لکھا ہے:

”خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: قوم کے آگے آگے رہو اور اسرائیل کے بعض بزرگوں کو ساتھ لے لو اور وہ عصا جسے نہر پر مارا تھا ہاتھ میں لے کر روانہ ہو جاؤ۔ میں وہاں تمہارے سامنے کوہ حوریب پر کھڑا ہوجاؤں گا۔ اور اسے پتھر پر مارو، اس سے پانی جاری ہوجائے گا، تاکہ قوم پی لے اور موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیل کے مشائخ اور بزرگوں کے سامنے ایسا ہی کیا۔“

[70] سورہٴ بقرہ آیت ۶۰۔

[71] سورہٴ بقرہ آیت ۶۱۔

[72] سورہٴ بقرہ آیت ۶۱۔

[73] سورہٴ بقرہ آیت ۶۱۔

[74] سورہٴ بقرہ آیت ۶۱۔

[75] سورہٴ بقرہ آیت ۶۱۔

[76] سورہٴ اعراف آیت ۱۴۲۔

[77] سورہٴ اعراف آیت ۱۴۳۔

[78] پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے پہلے ہی سے چالیس راتوں کا وعدہ کیوں نہ کیا بلکہ پہلے تیس راتوں کا وعدہ کیا اس کے بعد دس راتوں کا اور اضافہ کردیا۔

مفسرین کے درمیان اس تفریق کے بارے میں بحث ہے، لیکن جو بات بیشتر قرین قیاس ہے، نیز روایات اہل بیت علیہم السلام کے بھی موافق ہے وہ یہ ہے کہ یہ میعاد اگر چہ واقع میں چالیس راتوں کا تھا لیکن خدا نے بنی اسرائیل کی آزمائش کرنے کے لئے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کی دعوت دی پھر اس کے بعد اس کی تجدید کردی تا کہ منافقین مومنین سے الگ ہوجائیں۔ اس سلسلے میں امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ (ع) نے فرمایا:

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام وعدہ گاہ الہی کی طرف گئے تو انہوں نے بنی اسرائیل سے یہ کہہ رکھا تھا کہ ان کی غیبت تیس روز سے زیادہ طولانی نہ ہوگی لیکن جب خدا نے اس پر دس دنوں کا اضافہ کردیا تو بنی اسرائیل نے کہا: موسیٰ علیہ السلام نے اپنا وعدہ توڑ دیا اس کے نتیجہ میں انہوں نے وہ کام کئے جو ہم جانتے ہیں (یعنی گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئے)۔

رہا یہ سوال کہ یہ چالیس روز یا چالیس راتیں، اسلامی مہینوں میں سے کونسا زمانہ تھا؟ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدت ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے لے کر ذی الحجہ کی دس تاریخ تک تھی۔ قرآن میں چالیس راتوں کا ذکر ہے نہ کہ چالیس دنوں کا۔ تو شاید اس وجہ سے ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے رب سے جو مناجاتیں تھیں وہ زیادہ تر رات ہی کے وقت ہوا کرتی تھیں۔

اس کے بعد ایک اور سوال سامنے آتا ہے، وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس طرح اپنے بھائی ہارون (ع) سے کہا کہ: قوم کی اصلاح کی کوشش کرنا اور مفسدوں کی پیروی نہ کرنا، جبکہ حضرت ہارون (ع) ایک نبیؑ برحق اور معصوم تھے وہ بھلا مفسدوں کی پیروی کیوں کرنے لگے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ: یہ درحقیقت اس بات کی تاکید کے لئے تھا کہ حضرت ہارون (ع) کو اپنی قوم میں اپنے مقام کی اہمیت کا احساس رہے اور شاید اس طرح سے خود بنی اسرائیل کو بھی اس بات کا احساس دلانا چاہتے تھے کہ وہ ان کی غیبت میں حضرت ہارون (ع) کی رہنمائی کا اچھی طرح اثر لیں اور ان کا کہنا مانیں اور ان کے اوامر و نواہی (احکامات) کو اپنے لئے سخت نہ سمجھیں، اس سے اپنی تحقیر خیال نہ کریں اور ان کے سامنے اس طرح مطیع و فرمانبردار رہیں جس طرح وہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمانبردار تھے۔

[79] سورہٴ اعراف ۱۴۳۔

[80] سورہٴ اعراف آیت ۱۴۳۔

[81] حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس چیز سے توبہ کی؟ اس بارے میں جو سوال سامنے آتا ہے یہ ہے کہ جب

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوش میں آئے تو انہوں نے کیوں کہا : ”میں تو بہ کر تا ہوں“ حالانکہ انہوں نے کوئی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ کیونکہ اگر انہوں نے یہ درخواست اپنی امت کی طرف سے کی تھی تو اس میں ان کا کیا قصور تھا، اللہ کی اجازت سے انہوں نے یہ درخواست خدا کے سامنے پیش کی اور اگر اپنے لئے شہود باطنی کی تمنا کی تھی تو یہ بھی خدا کے حکم کی مخالفت نہ تھی، لہذا توبہ کس بات کی تھی؟ دوطرح سے اس سوال کا جواب دیا جا سکتا ہے:

اول: یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی نمائندگی کے طور پر خدا سے یہ سوال کیا تھا، اس کے بعد جب خدا کی طرف سے سخت جواب ملا جس میں اس سوال کی غلطی کو بتلایا گیا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توبہ بھی انہیں کی طرف سے کی تھی۔

دوم: یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اگر چہ یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کی درخواست کو پیش کریں لیکن جس وقت پروردگار کی تجلی کا واقعہ رونما ہوا اور حقیقت آشکار ہوگئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ ماموریت ختم ہوچکی تھی اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چاہئیے کہ پہلی حالت (یعنی قبل از ماموریت) کی طرف پلٹ جائیں اور اپنے ایمان کا اظہار کریں تاکہ کسی کے لئے جائے شبہ باقی نہ رہے، لہذا اس حالت کا اظہار موسیٰ علیہ السلام نے اپنی توبہ اور اس جملہ ”انی تبت الیک وانا اول المؤمنین“ سے کیا۔

[82] سورہ اعراف ۱۲۴۔

[83] سورہ اعراف ۱۲۴۔

[84] سورہ اعراف آیت ۱۲۵۔

[85] سورہ اعراف آیت ۱۲۵۔

[86] یہاں پردو چیزوں کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے:

[87] سورہ اعراف آیت ۱۲۸۔

[88] جیسا کہ سورہ طہ کی آیات میں آیا ہے ۔

[89] سورہ اعراف آیت ۱۵۹۔

[90] سورہ اعراف آیت ۱۵۰۔

[91] سورہ اعراف آیت ۱۵۰۔

[92] سورہ اعراف ۱۵۰۔

[93] سورہ طہ آیت ۱۵۰۔

[94] سورہ اعراف آیت ۱۵۱۔

[95] سورہ اعراف آیت ۱۵۰۔

[96] قرآن اور موجودہ توریت کا ایک موازنہ

جیسا کہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ”گوسالہ“ کو نہ تو بنی اسرائیل نے بنایا تھا نہ حضرت ہارون علیہ السلام نے، بلکہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص سامری نے یہ حرکت کی تھی، جس پر حضرت ہارون علیہ السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی اور ان کے معاون تھے خاموش نہ بیٹھے بلکہ انہوں نے اپنی پوری کوشش صرف کی، انہوں نے اتنی کوشش کی کہ نزدیک تھا کہ لوگ انہیں قتل کردیتے ۔

لیکن عجیب بات یہ ہے کہ موجودہ توریت میں گوسالہ سازی اور بت پرستی کی طرف دعوت کو حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف نسبت دی گئی ہے، چنانچہ توریت کے سفر خروج کی فصل ۳۲ میں یہ عبارت ملتی ہے:

جس وقت قوم موسیٰ نے دیکھا کہ موسیٰ کے پہاڑ سے نیچے اترنے میں دیر ہوئی تو وہ ہارون کے پاس اکٹھا ہوئے اور ان سے کہا اٹھو اور ہمارے لئے ایسا خدا بناؤ جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ یہ شخص موسیٰ جو ہم کو مصر سے نکال کر یہاں لایا ہے نہیں معلوم اس پر کیا گذری، ہارون نے ان سے کہا: طلائی بندے (گوشوارے) جو تمہاری عورتوں اور بچوں کے کانوں میں ہیں انہیں ان کے کانوں سے اتار کر میرے پاس لاؤ، پس پوری قوم ان گوشواروں کو کانوں سے جدا کر کے ہارون کے پاس لائی، ہارون نے ان گوشواروں کو ان لوگوں کے ہاتھوں سے لیا اور کندہ کرنے کے ایک آلہ کے ذریعے تصویر بنائی اور اس سے ایک گوسالہ کا مجسمہ ڈھالا اور کہا کہ اے بنی اسرائیل یہ تمہارا خدا ہے جو تمہیں سرزمین مصر سے باہر لایا ہے۔۔۔“

اسی کے ذیل میں ان مراسم کو بیان کیا گیا ہے جو حضرت ہارون نے اس بت کے سامنے قربانی کرنے کے بارے میں بیان کئے تھے۔

جو کچھ سطور بالا میں بیان ہوا یہ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کی داستان کا ایک حصہ ہے جو توریت میں مذکور ہے اس کی عبارت بعینہ نقل کی گئی ہے حالانکہ خود توریت نے حضرت ہارون کے مقام بلند کو متعدد فصول میں بیان کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات حضرت ہارون علیہ السلام کے ذریعے ظاہر ہوئے تھے (فصل ۸ از سفر خروج توریت) اور ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک رسول کی حیثیت سے تعارف کروایا گیا ہے۔ (فصل ۸ از سفر خروج)

بہر کیف حضرت ہارون علیہ السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانشین برحق تھے اور ان کی شریعت کے سب سے بڑے عالم و عارف تھے توریت ان کے لئے مقام بلند کی قائل ہے اب ذرا ان خرافات کو بھی دیکھ لیجئے کہ انہیں ایک بت ساز ہی نہیں بلکہ ایک مٹوسس بت پرستی کی حیثیت سے روشناس کرایا ہے بلکہ ”عذر گناہ بد تراز گناہ“ کے مقولہ کے مطابق ان کی جانب سے ایک غلط عذر پیش کیا کیونکہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر اعتراض کیا تو انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ چونکہ یہ قوم بدی کی طرف مائل تھی اس لئے میں نے بھی اسے اس راہ پر لگادیا جبکہ قرآن ان دونوں بلند پایہ پیغمبروں کو ہر قسم کے شرک اور بت پرستی سے پاک و صاف سمجھتا ہے۔

صرف یہی ایک مقام نہیں جہاں قرآن تاریخ انبیاء و مرسلین کی پاکی و تقدس کا مظہر ہے جبکہ موجودہ توریت کی تاریخ انبیاء و مرسلین کی ساحت قدس کے متعلق انواع و اقسام کی خرافات سے بھری ہوئی ہے ہمارے عقیدہ کے مطابق حقانیت و اصالت قرآن اور موجودہ توریت و انجیل کی تحریف کو پہچاننے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں میں انبیاء کی جو تاریخ بیان کی گئی ہے اس کا موازنہ کر لیا جائے اس سے اپنے آپ پتہ چل جائیگا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟

[97] سورہ طہ آیت ۹۶۔

[98] سورہ طہ آیت ۹۷۔

[99] سورہ طہ آیت ۹۸۔

[100] سورہ طہ آیت ۹۹۔

[101] سامری کون ہے؟ اصل لفظ ”سامری“ عبرانی زبان میں ”شمری“ ہے اور چونکہ یہ معمول ہے کہ جب عبرانی زبان کے الفاظ عربی زبان میں آتے ہیں تو ”شین“ کا لفظ ”سین“ سے بدل جاتا ہے، جیسا کہ ”موشی“ ”موسیٰ“ سے اور ”یشوع“ ”یسوع“ سے تبدیل ہوجاتا ہے اس بناء پر سامری بھی ”شمرون“ کی طرف منسوب تھا اور ”شمرون“ ”یشاکر“ کا بیٹا تھا، جو یعقوب کی چوتھی نسل ہے۔ اسی سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ

بعض عیسائیوں کا قرآن پر یہ اعتراض بالکل بے بنیاد ہے کہ قرآن نے ایک ایسے شخص کو کہ جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں رہتا تھا اور وہ گوسالہ پرستی کا سر پرست بنا تھا، شہر سامرہ سے منسوب ”سامری“ کے طور پر متعارف کرایا ہے، جب کہ شہر سامرہ اس زمانے میں بالکل موجود ہی نہیں تھا، کیونکہ جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ ”سامری“ شمرون کی طرف منسوب ہے نہ کہ سامرہ شہر کی طرف۔

بہر حال سامری ایک خود خواہ اور منحرف شخص ہونے کے باوجود بڑا ہوشیار تھا وہ بڑی جرأت اور مہارت کے ساتھ بنی اسرائیل کے ضعف کے نکات اور کمزوری کے پھلوؤں سے استفادہ کرتے ہوئے اس قسم کا عظیم فتنہ کھڑا کرنے پر قادر ہو گیا کہ جو ایک قطعی اکثریت کے بت پرستی کی طرف مائل ہونے کا سبب بنے اور جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ اس نے اپنی اس خود خواہی اور فتنہ انگیزی کی سزا بھی اسی دنیا میں دیکھ لی۔“

[102] سورہ اعراف آیت ۱۵۲۔

[103] کیا اس عہد و پیمان میں جبر کا پہلو ہے: اس سوال کے جواب میں بعض کہتے ہیں کہ ان کے سروں پر پہاڑ کا مسلط ہونا ڈرانے دھمکانے کے طور پر تھا نہ کہ جبر و اضطراب کے طور پر ورنہ جبری عہد و پیمان کی تو کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ لیکن زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ سرکش او رباغی افراد کو تہدید و سزا کے ذریعے حق کے سامنے جھکادیا جائے۔ یہ تہدید اور سختی جو وقتی طور پر ہے ان کے غرور کو توڑ دے گی۔ انہیں صحیح غور و فکر پر ابھارے گی اور اس راستے پر چلتے چلتے وہ اپنے ارادہ و اختیار سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے لگیں گے۔ بہر حال یہ پیمان زیادہ تر عملی پھلوؤں سے مربوط تھا ورنہ عقائد کو تو جبر و اکراہ سے نہیں بدلا جاسکتا۔

[104] سورہ بقرہ آیت ۶۳۔

[105] سورہ بقرہ آیت ۶۴۔